رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ﴾ اوراس کا ترجمہ اس طرح کیا: ''صرف اُس وقت تک اپنے ربّ کی عبادت کر جب تک تجھے یقین نہ حاصل ہو۔'' جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباعِ شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اُس وقت تک تھا' نہ اب ہے' نہ آئندہ کبھی ہوگا' جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے بیٹھا تصوف کے ''اسرار ورموز'' بیان کر رہا ہے' باطن میں کیا ہے؟ اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دے کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ قصہ ختم شد۔

میں نے یہ صراحت اس لئے کی کہ آج بیسویں صدی میں بھی سنّی عوام کے دلوں میں جو یہ تفریق جاگزین ہے اور وہ اپنے ''بزرگوں'' کی خلافِ شرع باتوں پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کو از قبیل رموز واسرارِ طریقت سمجھتے ہیں' یہ تفریق عبداللہ بن سبا کے متبعین کی پیدا کردہ ہے اور بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی نکھری ہوئی صورت یعنی باطنیت دراصل نبوت ورسالت محمدیؐ کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی' یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر وتذلیل۔ ثبوت ملاحظہ ہو:

اقتباس از ولایت نامہ' تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گنابادی۔ سلطان علی شاہ۔ چاپ دوم۔ چاپخانۂ دانش گاہ تہران ۱۳۸۵ قمری' صفحہ ۳۵

> ''قبولِ رسالت بیعت کردن است بر قبولِ احکامِ ظاہری وقبول ولایت بیعت کردن است بر قبولِ احکامِ باطنی۔ اوّل را اسلام وثانی را ایمان می گویند وچوں قبولِ رسالت بجہت وصول بسوئے ولایت است کہ فرمود ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾ (۴۹:۱۷) وفرمود ﴿اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ (۵:۶۷) یعنی رسالت تو مقدمۂ ولایت علی علیہ السلام است' اگر تبلیغ

ولایت نہ کردی و بیعت بولایت علی نگرفتی ہیچ تبلیغ رسالت نہ کردہ کہ مقدمہ بدون ذی مقدمہ وجودش باعدم مساوی است و بملاحظۂ حیثیت رسالت و ولایت نسبت بحدیث دادہ شد کہ لَوْ لَا عَلِیٌّ لَمَا خَلَقْتُکَ)(انتہیٰ بلفظہٖ)

میں نے یہ زحمتِ نقل اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر میں اس عبارت کا اردو ترجمہ درج کر دیتا تو بعض قارئین ضرور دل میں کہتے کہ مصنف نے یہ باتیں نہ لکھی ہوں گی' مترجم سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہوگئی یا مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہوسکی۔ لیکن ان لوگوں کی خاطر جو عربی و فارسی نہیں جانتے' اس کا مطلب ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

۱) مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید یوں ہے: ﴿بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ﴾ (الحجرات: ۱۷) یعنی ''بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر تمہارے یہ کہ ہدایت کی تم کو طرف ایمان کے''۔

۲) قبولِ رسالت کا معنی ہے بیعت کرنا احکامِ ظاہری کے قبول کرنے پر۔

۳) قبولِ ولایت کا معنی ہے بیعت کرنا احکامِ باطنی کے قبول کرنے پر۔ (یعنی رسالت کا تعلق احکامِ ظاہری سے ہے اور ولایت کا تعلق احکامِ باطنی سے ہے۔ یہی تعلیم باطنیہ نے دی تھی' یعنی احکامِ ظاہری اور باطنی کی تفریق' جس سے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا ہوگئی اور امت میں تفرقہ رونما ہوگیا'۔

۴) رسالت محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے' ولایت علی کو قبول کرنا ایمان ہے۔

۵) اے رسول (ﷺ) اگر تو نے ایسا نہ کیا پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اس (اللہ) کا (المائدہ: ۶۷)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد! تیری رسالت مقدمہ ہے ولایت علیؓ کا۔ اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں کی' کیونکہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔

۶) رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ ''اگر علیؓ (پیدا) نہ تو اے محمد میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا''۔

اس عبارت پر راقم الحروف کو یارائے تبصرہ ہے نہ حوصلہ تنقید' صرف دوتین باتوں پر اکتفا کرتا ہے۔

ا) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت' نبوت سے افضل ہوتی ہے' کیونکہ ایمان بہر حال افضل ہے اسلام سے۔

ب) جب تک ایک شخص ولایت علیؓ پر ایمان نہ لائے مؤمن نہیں ہوسکتا۔

ج) رسالتِ محمدیؐ کی بذاتِ خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے' بلکہ وہ مقدمہ ہے ولایت علی کا اور اس لئے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے۔

د) رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصولِ مقصد کا اور وہ مقصد ہے ''گرفتن بیعت ولایت علی'' اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد واسطے یا وسیلے سے افضل ہوتا ہے' اس لئے ولایت افضل ہے رسالت سے۔ یعنی صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے۔ بالفاظِ واضح تر حضرت علیؓ افضل ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ سے۔

ہ) قرآن سے تو یہ معلوم ہے کہ بعثتِ رسول کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الحق (اسلام) کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کردے۔ کما قال اللہ عزوجل ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ ''(اللہ) وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے' تاکہ وہ اس کو غالب کردے سب دینوں پر''۔

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول کو اس لئے بھیجا کہ وہ حضرت علیؓ کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہوجائیں گے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔

اگر اس جگہ یہ اعتراض کیا جائے کہ ﴿بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ﴾ کا ترجمہ تو یہ ہوگا کہ ''اے رسول پہنچادے (لوگوں کو) جو کچھ اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے' اور اگر ایسا نہ کیا تو نے تو نہ

پہنچایا پیغام اس کا''۔اب نہ تو ان دونوں جملوں میں حضرت علیؓ کا اسم گرامی آیا ہے اور نہ سارے قرآن میں کہیں ان کا نام آیا ہے (۲۵)' نہ ان آیتوں سے پہلے ان کا تذکرہ ہے اور نہ ان کے بعد ان کا تذکرہ ہے۔پس اندریں صورت ان دو آیتوں سے حضرت علیؓ کا تعلق کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ تبلیغ کا مطلب تبلیغ ولایت و بیعت گرفتن ولایت علیؓ کیسے ہو سکتا ہے؟ ﴿مَـا اُنْـزِلَ اِلَیْکَ﴾ کا مقصد تو قرآن ہے' کیونکہ وہی آنحضرت ﷺ پر بواسطہ جبریل نازل ہوتا رہا۔تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن (لوگوں) کو پہنچا اور اسی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہری معنیٰ ہیں' لیکن سلطان العارفین نے اس کے باطنی معنی بیان کئے ہیں جو صرف ''اہل اسرار'' پر منکشف ہوتے ہیں' صرفیوں اور نحویوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہو سکتی۔

باطنی معنیٰ نکالنے کے لئے قرآن کے ظاہری الفاظ کی تاویل اس طریقے اور اس انداز سے کرنا کہ صرف' نحو' معانی' بیان عقل اور خرد سب کا خاتمہ ہو جائے اور پڑھنے والا وادیٔ حیرت میں گم ہو جائے' باطنیہ کا سب سے بڑا احسان ہے امت محمدیؐ پر جس کا اندازہ یہ امت ابھی تک نہیں لگا سکی ہے۔یہ فتنہ رومی کے زمانے میں اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا' اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے ؎

می کنی تاویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را

۲۵) اللہ کو بخوبی معلوم تھا کہ عبداللہ بن سباء اسلام میں شخصیت پرستی کا فتنہ پیدا کرے گا' اس لئے اس نے قرآن میں صرف ان دو آدمیوں کا ذکر ان کا نام لے کر کیا (ابولہب اور زید) جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ سبائی ان ناموں کو استعمال نہیں کریں گے۔اللہ نے اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ فرمائی کہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کو یار غارؓ کے نام پر ترجیح دی۔یعنی چھ الفاظ استعمال کئے گئے مگر ایک لفظ ابوبکرؓ نہ فرمایا۔لیکن یہ چھ الفاظ ایسے ہیں کہ سبائی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ثانی سے حضرت ابوبکرؓ ہی مراد ہیں۔ثانی کی تاثیر دیکھئے کہ صدیق اکبرؓ ہر بات میں ثانی ہیں۔چنانچہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے:

ہمت او کشت ملت را چو ابر ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

میرا خیال ہے کہ آیت زیر بحث کے جو معنیٰ ''برہان الواصلین'' نے بیان کئے ہیں وہ رسول تو کیا خدا کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ شاید اقبال نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے نمونے دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہوگا ؎

ز من بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفٰے را!

باطنیہ کی اسی تدسیس کی بدولت صحیح اسلامی (قرآنی) تصوف کی ساتویں صدی ہجری میں ایسی قلب ماہیت ہو چکی تھی کہ تصوف اور تشیع مترادف الفاظ بن گئے تھے۔ چنانچہ حیدر علی آملی صاحب تفسیر بحر الابحار نے لکھا ہے:

''تصوف طریقہ مرتضوی است وتصوف وتشیع یک معنی دارد''

(ماخوذ از اصول تصوف مؤلفۂ ڈاکٹر احسان اللہ استخری، صفحہ ۲۰)

یہی مؤلف ولایت کی بحث میں لکھتا ہے:

''ولایت از آن خدا است و بر آں ایں آیت شاہد است ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ (۲۶) از خدا بمصطفٰے و درایں حقیقت جامعیت است، علی و فاطمہ تا حضرت قائم ثانی عشر، یک پایۂ و دارائے یک مایہ اند۔ چنانچہ رسول فرمود: (الف) اوّل ما خلق الله نوری (ب) انا و علی من نور و احد (شاعرے ایں

۲۶) مصنف نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ قرآن پر ظلم عظیم ہے۔ مصنف اتنی عربی ضرور جانتا ہوگا کہ وِلایَة اور وَلایَة میں فرق کر سکے مگر اس نے دانستہ تحریف معنوی سے کام لیا تا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس آیت کی رو سے ''ولایت از آن خداست''۔ اس آیت کا یہ مطلب اور معنی ہرگز نہیں ہیں۔ دلائل یہ ہیں:

(۱) آیت میں لفظ وَلایَة ہے نہ کہ وِلایَة اور ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ وَلایَة (واؤ پر زبر کے ساتھ) کا معنی ہے نصرت یا مدد یا کارسازی۔ وِلایَة (واؤ کے نیچے زیر) کا معنی ہے حکومت یا اقتدار یا ملک (دیکھو زمخشری)

(۲) اس آیت کے سیاق و سباق سے ثابت ہے کہ یہاں ولایت مزعومہ و مفروضہ کا قطعاً ذکر نہیں بلکہ میں قارئین کی آگاہی کے لئے اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ ⇐

حدیث را چنیں نظم کردہ است) اصول تصوف مؤلفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری' صفحہ۶۹)

علی و مصطفیٰ ہمچو دو دیدہ
ز یک نورِ جلیل اند آفریدہ

⇐ پورے قرآن میں ولایت مزعومہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ سبائی حضرت علیؓ سے ولایت کو منسوب کر کے انہیں رسول سے بھی بڑھا دیں گے' اس لئے اللہ نے دو جگہ وَلَایَة تو استعمال کیا ہے۔ (دیکھو ۸:۷۲ ﴿مَا لَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ... الخ﴾) مگر لفظ وِلایة کہیں استعمال نہیں کیا۔ قرآن میں نہ کہیں لفظ علی (اسم زوج فاطمہ) آیا ہے نہ لفظ ولایت آیا ہے اور نہ ولایت علی کا کوئی تذکرہ ہے۔ ہر مومن متقی اللہ کا ولی (دوست) ہے اور اللہ اس کا ولی (دوست) ہے باز آمدم برسر مطلب آیت زیر بحث سے پہلے اللہ نے دو آدمیوں کی مثال بغرض تذکیر بیان کی ہے جن میں سے ایک کو اللہ نے باغ اور دولت دی جس پر اس نے تکبر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیا۔ اس نے کہا ﴿يٰلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ پھر آگے آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ کوئی جماعت اسے مدد نہ دے سکی اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے کہ ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ یعنی ''حقیقت یہ ہے کہ حکمرانی' کارسازی اور نصرت یہ ساری باتیں صرف اللہ کے لئے ثابت ہیں جو الحق یعنی سچا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے''۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ اس آیت کو سبائیوں کی موہومہ ولایت سے کیا تعلق ہے۔ لیکن اس فرقے نے باطنی مفہوم مستخرج کرنے کیلئے پہلے تاویل کا دروازہ کھولا' پھر تاویل کے ذریعے سے پورے قرآن کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔ اس کی مثالیں سبائیہ باطنیہ' قرامطہ کے لٹریچر سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھو'' قواعد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الایلمی یمانی زمانہ تصنیف ۷۰۷ھ صفحہ ۱۸'۱۷۔ مثلاً طہارۃ سے مراد ہے مذہب باطنی کے علاوہ ہر مذہب سے براءۃ' زنا سے مراد ہے علم باطن کے نطفے کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو' روزے سے مراد ہے افشائے راز سے پرہیز کرنا' نماز سے مراد ہے امام وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا' تیمم سے مراد ہے ماذون سے علم حاصل کرنا' حج سے مراد ہے اس علم کا طلب کرنا جو منزل مقصود ہے' زکوٰۃ سے مراد ہے اہل استعداد میں اشاعت علم کرنا''۔ (منقول از تاریخ دعوت وعزیمت مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی' صفحہ ۱۰۸)

مقصود ان تصریحات سے یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں نقشبندی سلسلے کے علاوہ جس قدر سلسلے سنیوں میں پائے جاتے ہیں سب میں کم و بیش یہی عقائد مسلم اور مقبول ہیں۔ سنی عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خواص بھی حضرت علیؓ کے بارے میں یہی عقائد رکھتے ہیں' بلکہ بوقت حاجت رسول کے بجائے انہی کو پکارتے ہیں۔ اور کیوں نہ پکاریں جب وہ اپنے بزرگانِ سلسلہ کی تصانیف میں یہ پڑھتے رہتے ہوں کہ جنگ تبوک میں خود آنحضرت ﷺ نے ''مولا علی'' کو پکارا تھا۔

اسی لئے عصر حاضر کے مصری محقق ڈاکٹر ذکی مبارک کو یہ کہنے کا موقع مل سکا:

والواقع ان الصلة بين التشيع و التصوف فعلى هو معبود الشيعة و امام الصوفية (التصوف الاسلامی' مؤلفہ ڈاکٹر ذکی مبارک' جلد دوم' صفحہ ۲۴)

باطنیت کے اثرات تصوف پر

اب ناظرین خود غور کرلیں کہ جن لوگوں (باطنیہ) نے قرآن کے ساتھ یہ تلعب (کھیل) کیا' انہیں اسلامی تصوف کو کفر و شرک کا ملغوبہ بنا دینے میں کیا تامل ہوسکتا تھا۔ ان کو تو اہل سنت کو گمراہ کرنا تھا۔ چونکہ تصوف کی راہ سے گمراہی کی اشاعت آسان ترین تھی اور کامیابی یقینی تھی اس لئے انہوں نے اسلامی تصوف ہی کو خاص طور سے ہدفِ تدسیس و تلبیس و تحریف بنایا اور جھوٹی روایتوں کو سنی صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح جاگزیں کر دیا کہ اکثر نے انہیں بلاتحقیق قبول کرلیا اور ان روایتوں کے زیر اثر اکثر صوفیوں کے عقیدے اہل سنت کے مسلمہ عقائد سے مختلف ہو گئے' بلکہ وہ بعض عقائد میں سبائیوں کے ہم نوا ہو گئے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں (واللہ المستعان)

۱) عزالدین محمود بن علی کاشانی متوفی ۷۳۵ھ نے تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے ''مصباح الہدایۃ ومفتاح الکفایۃ'' اس کو پروفیسر جلال الدین ہمائی کے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ کتاب خانۂ سنائی نے طہران سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے مقدمے کا آغاز اپنی مخصوص ذہنیت کی بناء پر بسم اللہ الرحمٰن

الرحیم کے بجائے ''بنامِ خداوند بخشندۂ بخشائش گر مہربان'' سے کیا ہے' حالانکہ ہر عالم جانتا ہے کہ لفظ ''خداوند'' اللہ کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔

چونکہ کاشانی نے یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اس لئے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا کہ یہ کتاب اس کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ نولکشوری نسخے میں اسے ترجمہ ہی لکھا گیا ہے۔

چونکہ کاشانی بباطن شیعہ ہے (جیسا کہ آگے چل کر واضح کروں گا) اس لئے مقدمہ نگار نے اس کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہمائی اپنے مقدمے میں خود لکھتا ہے:

ا) وہ ہر جگہ آل محمدؐ پر صلوات کو محمدؐ پر صلوات کی ردیف قرار دیتا ہے' مثلاً دیکھو دعائے بعد از طعام' صفحہ ۲۷۴: **الحمدلله الذی اطعمنا هذا ورزقناه من غير حول منا اللهم صل على محمد و آل محمد** ۔(انتہی بلفظہ' صفحہ ۲۷۴)

ب) آیتِ نجویٰ کے بارے میں وہ شیعہ کی طرح یہ روایت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا اور اس طرح موافق منافق سے ممتاز ہو گیا۔ (صفحہ ۲۲۴)

ج) ایک جگہ وہ یہ بات بھی نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمرؓ کو نصیحت کی تھی۔ (صفحہ ۲۷۸)

د) وہ علی علیہ السلام کو دوسرے صحابہ پر ترجیح و تفضیل دیتا ہے اور اپنے باطن میں ان کو تمام صحابہ سے زیادہ دوست رکھتا ہے' لیکن اس کے اظہار کو واجب نہیں جانتا۔ (صفحہ ۴۸ (مقتبس از مقدمہ' صفحہ ۴۴' ۴۵)

پروفیسر ہمائی کی یہ تصریحات میرے دعوے کے اثبات کے لئے بالکل کافی ہیں کہ کاشانی بباطن شیعہ ہے۔ تاہم اس نے صفحہ ۴۸ پر جو غلط بیانی کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرنی مناسب ہے' تا کہ جو سنی اس کی کتاب میں یہ عبارت پڑھیں وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔

مصنف نے از راہِ تقیہ صفحہ ۴۶ پر یہ لکھا ہے کہ ''مؤمن حقیقی اس بات کو روا نہیں

رکھ سکتا کہ اصحاب رسول پر قدح کرے، کیونکہ انہوں نے رسول کی محبت پر مہاجرت کی، اقارب سے جدائی اختیار کی اور اپنے اموال رسول ﷺ کے مبارک قدموں پر نثار کئے"۔ (صفحہ ۴۶)

اگرچہ کاشانی نے اس عبارت میں حضرات ابوبکر صدیق، وعمر فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا ہے تاہم اس عبارت سے یہ ضرور ثابت ہو گیا ہے کہ اس کا لکھنے والا شاتم صحابۂ رسول نہیں ہے مگر اس فصل نہم کا آخری جملہ ایسا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے ولا اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

پس عقیدۂ صحیحہ سلیمہ یہ ہے کہ:

ا) سب صحابہؓ کو دوست رکھے اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح و تفضیل سے اپنے آپ کو روکے۔

ب) اگر اس کے باطن میں فضیلت کی بناء پر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اس کو پوشیدہ رکھے، کیونکہ اس پر اس کا اظہار واجب نہیں ہے۔

ج) اس مشاجرت کے باب میں جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی، ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام اجتہاد خلافت میں محق اور مصیب تھے اور امر خلافت کی مباشرت کے لئے مستحق اور متعین تھے جبکہ معاویہ مخطی اور مبطل اور مذنب اور غیر مستحق تھے ﴿مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا﴾ (صفحہ ۴۸)

اس عبارت میں کاشانی اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو گیا ہے۔ اس گروہ کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس صورت سے اور جس طرح ہو سکے اہل سنت کو گمراہ کیا جائے۔

واضح ہو کہ یہ عقائد اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں۔ کاشانی نے ایک صوفی کے لباس میں اہل سنت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں اہل سنت کا عقیدہ صحیحہ سلیمہ درج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

ا) پہلی صدی ہجری سے تا ایں دم تمام اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ یہ رہا

ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ میں افضل واکمل واتقٰی ہیں' بلکہ انبیاء کے بعد تمام روئے زمین کے انسانوں سے افضل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(ا) امام فخر الدین رازی' کتاب الاربعین میں صفحہ۲۶۴ پر لکھتے ہیں کہ ((مــذهــب اصحابنا ان افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم هو ابوبكر رضى الله عنه)) یعنی اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ سب انسانوں میں افضل ہیں۔

ب) امام نجم الدین النسفی عقائد نسفی میں لکھتے ہیں'' ہمارے نبی ﷺ کے بعد تمام انسانوں میں ابوبکرؓ افضل ہیں اور ان کے بعد عمر فاروقؓ (انگریزی ترجمہ' شرح عقائد' صفحہ۱۴۱)

ج) امام کمال الدین بن الہمام کتاب المسائرہ میں صفحہ۳۱۲ پر لکھتے ہیں'' صحابہ اربعہ یعنی الخلفاء کی فضیلت علٰی حسب ترتیب فی الخلافت یہ ہے کہ پہلے ابوبکرؓ' پھر عمرؓ''۔ نیز صفحہ۳۱۲ پر لکھتے ہیں کہ صحیح البخاری میں محمد بن الحنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ علیؓ سے پوچھا: اى الناس خير بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال ابوبكرؓ یعنی'' رسول اللہ ﷺ کے بعد انسانوں میں کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابوبکرؓ''۔

د) مولانا محمد ادریس کاندھلوی عقائد الاسلام میں صفحہ۱۵۰ پر لکھتے ہیں:'' تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفۂ مطلق ابوبکر صدیقؓ ہیں''۔ پھر صفحہ۱۶۰ پر لکھتے ہیں:'' امام ذہبی نے بسندِ صحیح بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگ مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ میں جسے فضیلت دینے والا پاؤں گا تو وہ مفتری ہے اور اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی ہے۔''

بخوفِ طوالت صرف ان چار شہادتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو لوگ اس مسئلے کی تفصیل کے آرزومند ہوں وہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ اور قرۃ العینین فی فضیلۃ

الشیخینؒ مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مطالعہ کر لیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پہلی صدی سے اس وقت تک تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آخر میں ایک غیر مسلم سر ولیم میور کی شہادت درج کرتا ہوں تا کہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل فضیلت وہ ہے جس پر اعداء بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں۔ ولیم میور اپنی تالیف ''الخلافۃ'' میں لکھتا ہے:

ا) پیغمبر اسلام (ﷺ) کی سچائی پر ایمان ابوبکرؓ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اور اب جبکہ ان کے مرشدؐ کی وفات ہو چکی تھی، مرید نے اپنی زندگی ان کی آرزو کی تکمیل کے لئے وقف کر دی۔ یہی جذبۂ فدویت تھا جس نے ابوبکرؓ کی نرم اور مصالحت نواز افتادِ طبع میں اس قدر ہمت پیدا کر دی اور انہیں محمد (ﷺ) کے تمام متبعین (صحابہ) میں سب سے زیادہ سچا، سب سے زیادہ ثابت قدم اور سب سے زیادہ ثابت العزم بنا دیا''۔ (صفحہ ۷)

ب) ''ابوبکرؓ کے دل میں ذاتی اعزاز کے حصول کی مطلق آرزو نہ تھی۔ اگرچہ انہیں اقتدارِ اعلیٰ حاصل تھا لیکن انہوں نے اس اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود کے لئے استعمال کیا۔ لیکن ان کی طاقت اور سطوت کا سب سے بڑا راز صداقت رسولؐ پر ایمان محکم میں مضمر تھا۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۃ اللہ مت کہو! میں تو محض خلیفۂ رسول ہوں۔ زندگی بھر ان کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہا، یعنی اس معاملے میں نبیؐ نے کیا حکم دیا تھا یا وہ خود اس معاملے میں کیا کرتے؟

ساری عمر انہوں نے اس اصول سے بال برابر انحراف نہیں کیا۔ اسی جذبۂ فنائیت کی بدولت انہوں نے فتنہ ارتداد کا ایسی کامیابی سے قلع قمع کر دیا۔ اگرچہ ان کا عہد حکومت مختصر تھا مگر محمد (ﷺ) کے بعد تمام صحابہ میں ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کا محسن نہیں ہے۔

چونکہ پیغمبر اسلام پر ان کا ایمانِ راسخ بذاتِ خود محمد (ﷺ) کی سچائی کی زبردست دلیل ہے، اس لئے میں نے ان کی زندگی اور سیرت کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ اگر محمد (ﷺ) اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو وہ کبھی ہرگز ابوبکر جیسے دانشور اور صاحبِ عقل و خرد انسان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکتے

تھے"۔(صفحہ ۸۱)

میں نے بھی میؤر کی کتاب سے یہ دو اقتباسات اس لئے تفصیل کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں کہ قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی اور سیرت دونوں اس قدر شاندار، ارفع، پاکیزہ اور بے عیب ہیں کہ ایک غیر مسلم بھی جو نہ اسلام کا دوست ہے، نہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے، ان کی تعریف و تحسین پر مجبور ہے، بلکہ انہیں تمام صحابہ میں سب سے زیادہ مخلص، سب سے زیاہ راست باز، سب سے زیادہ ثابت قدم قرار دیتا ہے۔ انہیں بعد رسولؐ اسلام کا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ انہیں تمام صحابہؓ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا سب سے بڑا فدائی، سب سے بڑا عاشق اور سب سے بڑا متبع یقین کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اہل سنت کی طرح انہیں تمام صحابہؓ میں افضل اور اکمل جانتا ہے اور ان سب باتوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ کے ایمان اور خلوص کو خود انؓ کے آقا اور مولیٰ ﷺ کی صداقت کی دلیل گردانتا ہے۔

شاید ہی کسی غیر مسلم نے میؤر سے بڑھ کر صدیق اکبرؓ کے مقامِ رفیع کو پہچانا ہو۔ میں نے بدلائل عقلیہ و شواہد نقلیہ یہ بات واضح کر دی کہ کاشانی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ صحابہؓ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے، سراسر گمراہی اور بطالت ہے اور اہل سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے۔ اسی ایک بات سے ثابت ہو گیا کہ کاشانی اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ علام الغیوب تو صرف خدا ہے، ہم تو ظواہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

۲) پھر کہتا ہے کہ "اگر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھے۔" یہ بات کہہ کر اس نے اپنے آپ کو بالکل ظاہر کر دیا۔ اپنے عقائد کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا یہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے بلکہ سبائیہ اور باطنیہ کا مذہب ہے۔

۳) اس نے حضرت معاویہؓ کی شان میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اہل سنت استعمال نہیں کر سکتے، بلکہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جن کے قلوب میں زیغ اور کذب راسخ ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں اس نے ہر جگہ حضرات علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کے لئے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنی نہیں تھا، کیونکہ

تمام اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ وہ انبیاء کے لئے علیہ السلام اور صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کاشانی نے اپنی صحابہ دشمنی کا یہاں تک ثبوت دیا ہے کہ اس نے جنید اور بایزید کے نام کے آگے رحمتہ اللہ علیہ لکھا ہے مگر حضرت معاویہؓ کے نام کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ وہ کس طائفے سے تعلق رکھتا ہے۔

۴) اس نے صفحہ ۲۷۸ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو زہد و ورع اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ روایت نقلاً اور عقلاً دونوں طرح غلط اور وضعی ہے۔ نقلاً اس لئے کہ کاشانی نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی اور عقلاً اس لئے کہ حضرت عمرؓ اس قدر زاہد اور متورع تھے کہ وہ خود حضرت علیؓ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے۔ چونکہ موازنہ ایک نازک امر ہے اس لئے یہیں قلم روکتا ہوں' ورنہ اس پر ایک مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔

الحمدللہ میں نے بشواہد و دلائل ثابت کر دیا کہ کاشانی نے صوفی بن کر جاہل اور عالم دونوں قسم کے سنیوں کو گمراہ کرنے کا پورا پورا سامان اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ بقول پروفیسر ہمائی مقدمہ نگار وہ شیعہ تفضیلیہ تھا اور میری رائے میں وہ شیعہ تھا۔ اس نے تقیہ اختیار کر کے صوفیوں کا لباس پہنا اور اس کتاب کے پردے میں اہل سنت کے دماغوں میں خلاف اسلام عقائد جاگزیں کر دیئے۔ اور چونکہ صوفیوں میں اسلاف کی کتابوں یا ان کے مقولوں پر تنقید خلاف ادب یقین کی جاتی ہے اس لئے اس قسم کے غلط عقائد اور بے سند قصے ہمارے یہاں صدیوں سے مقبول اور مسلّم چلے آرہے ہیں۔

کاشانی نے اس کتاب میں ایک روایت ایسی درج کی ہے جس کی چاشنی سے قارئین کو محروم رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا اس لئے کہ نزاکت روایت تاب تبصرہ ندارد۔ ہاں مجبوراً ترجمہ کئے دیتا ہوں۔

> ''چنانکہ رسیدہ است کہ وقتے حسین بن علیؓ نے اپنے باپ سے پوچھا۔ ''کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟'' انہوں نے کہا ''ہاں'' پھر حسین نے پوچھا ''کیا آپ اللہ سے محبت رکھتے ہیں؟'' انہوں نے کہا ''ہاں''۔ یہ سن کر حسین نے کہا

''ہیہات قلب واحد میں دو محبتیں تو جمع نہیں ہوسکتیں۔'' یہ سن کر حضرت علیؓ رونے لگے۔ اس وقت حسینؓ نے کہا ''اے باپ! اگر آپ کو میرے قتل اور اپنے ایمان کے ترک میں اختیار دیا جائے تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟'' حضرت علی نے کہا ''میں ترکِ ایمان پر قتل کو اختیار کروں گا۔'' یہ سن کر حسینؓ نے کہا ''خوش ہو جایئے اے باپ! کیوں کہ وہ محبت ہے اور یہ شفقت ہے۔''

پروفیسر ہمائی نے اس روایت کی تضعیف یا تردید تو نہیں کی مگر حاشیے میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ ''ماخذ ایں روایت معلوم نیست'' (ص ۴۰۷)

اب پروفیسر ہمائی کو کون بتائے کہ اللہ کے بندے! اس کتاب میں بہت سی روایات ایسی مندرج ہیں جن کا ماخذ نہ معلوم ہے اور نہ کبھی معلوم ہوسکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کسی ''صاحب اسرار'' کی صحبت اختیار کریں تو یہ باطنی علوم شاید ان پر منکشف ہو جائیں۔

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی جالندھریؒ کی تصنیف ''محبت باری'' تعالیٰ کی سیر کراتے ہیں۔ مصنف کتاب نے' جیسا کہ اس کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی نے ''عرض مترجم'' میں لکھا ہے' سب سے پہلے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی' پھر خواجہ محمد اسحاقؒ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔ آخری دور حضرات خواجہ باقی باللہ متوفی ۱۰۱۲ء کی خدمت میں گزارا۔ یعنی خواجہ محمد عثمان' حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر بھائی تھے اور غالباً گیارہویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں فوت ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ (ص ۱۵)

فاضل مترجم طریقت اور شریعت دونوں کے جامع ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایات درج ہیں' سب کی نشان دہی کی ہے۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہوگئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل میں درج کرتا ہوں' کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:

''قصہ مختصر آج کل تصوف میں ''منکر'' کی آمیزش ہو چکی ہے۔ طالب کو لازم

ہے کہ صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے، غلط باتوں کو چھوڑ دے۔ اصل دین (اہلِ تصوف کی کتابیں نہیں بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کر لیا جائے اور جو اِن کے خلاف ہوں انہیں چھوڑ دیا جائے۔''

''محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو جمع حدیث میں بھی امام ہیں اور راویوں پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمع حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمع حدیث میں امام نہیں مگر نقد روایت میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح وتعدیل یا فن نقد وتبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مردِ میدان نہیں (۲۷) ہے۔

انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع (۲۸) روایات بھی اس میں آ گئی ہیں۔ اسی طرح مکتوبات میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات آ گئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک ناآشنا ہیں۔

کچھ اسی طرح کی کیفیت زیرِنظر کتاب ''محبت الٰہی'' کی بھی ہے۔ جہاں تک روایات واحادیث کا تعلق ہے، اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجۂ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔''

محبت الٰہی میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں ان میں سے بعض پر فاضل مترجم نے ''ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت باری تعالیٰ'' کے ذیل میں مفصل تنقید کی

---

۲۷) مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ فاضل مترجم کثر اللہ مثلہ نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر یہ سچی بات بلاخوف لومۃ لائم واشگاف الفاظ میں درج کتاب کر دی۔ میں بھی بائیس سال تک (۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۷ء) کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ کشف المحجوب اور اس کے مصنف دونوں کی عظمت مسلمہ ہے مگر اس میں بھی ضعیف روایات موجود ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صوفیاء ارباب حال تو تھے مگر محدث اور نقاد رواۃ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیاء پر تنقید کی ہے۔

۲۸) میں جسے جھوٹی روایت کہتا ہوں محدثین اپنی اصطلاح میں اسے موضوع کہتے ہیں اور اس کا درجہ ضعیف روایات سے بھی بہت پست ہے، یعنی قطعاً ناقابل قبول۔

ہے۔یعنی پڑھنے والوں کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر دیا ہے (جزاہ اللّٰہ احسن الجزاء) میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا' صرف ایک جھوٹی روایت پر ان کی تنقید جذباتِ ممنونیت کے ساتھ درج کئے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد صفحہ ۴۹۲ پر لکھتے ہیں۔

''کتاب ہذا کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی اپنی امت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔لیکن جس طرح آپؐ کی شفقت کا اظہار کیا گیا ہے یا جس طرح کا انداز اختیار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔اس میں کئی ایک چیزیں خلاف شریعت آ گئی ہیں۔اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور امت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔اتفاق سے ایک رات آپ کو نیند آ گئی۔خدا کی طرف سے وحی آئی کہ آپ کو سونا نہیں چاہئے تھا۔اس جرم کی سزا آپ کو یہ دی جائے گی کہ آپ کی تمام امت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپؐ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گزر گئے تو صحابہؓ کو تشویش ہوئی جا کر حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپؓ کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپؓ نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف نہیں لائے۔صحابہؓ تلاش کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔ایک چرواہا ملا۔اس سے پوچھا کہ کہیں ہمارے رسولؐ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا آج تین دن گزر چکے ہیں میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں۔اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں جہاں سے نہایت دردناک آوازیں آتی رہتی ہیں۔یہ سنتے ہی صحابہؓ اس پہاڑ کی طرف دوڑے۔دیکھا کہ آنحضرت صلعم سجدے میں پڑے ہوئے تھے' آنسوؤں سے زمین پر کیچڑ ہو گئی تھی اور آپ کا چہرہ اس میں لت پت تھا اور آپ رو رو کر امت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔ چاروں خلفاء نے علی الترتیب عرض کی کہ آپ سجدے سے سر اٹھایئے' ہم نے اپنی تمام زندگی کے نیک اعمال آپ کی امت کی رہائی کے لئے بخش دیئے۔حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب بھی آپ کی امت کو بخشتا ہوں۔مگر آپ نے چاروں خلفاء کو ایک ہی جواب دیا کہ اس سے

میرا کام نہیں چل سکتا۔ جب خدا کی طرف سے حکم آ چکا ہے کہ میں تیری امت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر سکتا ہوں۔ جب صحابہؓ مایوس ہو گئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ آپ گھر تشریف لے چلیں، میں اپنی زندگی کے تمام اعمال آپ کی امت پر نثار کرتی ہوں۔ آپ نے حضرت فاطمہ کو بھی وہی جواب دیا۔ جب وہ آپؐ سے مایوس ہو گئیں تو انہوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رو رو کر خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریل تشریف لائے اور خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کو امت کی بخشش کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ خدا نے فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی اور آپ کی امت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے صرف آپؐ کی امت کے لئے سفارش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہؓ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو بخش دیتا۔ اس کے بعد حضورؐ مع تمام صحابہؓ خوش خوش گھر تشریف لے آئے۔''

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے:

''اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں (ا) آپ نے تمام رات کبھی بھی جاگ کر نہیں گزاری، بلکہ آپ قریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے، کیونکہ سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجئے کیا آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کر سکتے تھے؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرت ﷺ اور ان کے جرم کی سزا ملے امت کو! اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمانؓ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلاف واقعہ ہے، کیونکہ انہوں نے حضور کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہؓ کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟

حدیث میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سر ننگا رہتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ کیا حضرت فاطمہؓ ایسا فعل کرسکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہوسکتی تو ان کا سجدہ کیسے قبول کرلیا گیا؟

(ہ) سبحان اللہ! کیا مقام ہے حضرت فاطمہؓ کا! رسول اللہ ﷺ تو تین دن سے رو رہے تھے، آپؐ کے آنسوؤں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی، لیکن فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ ان سے بھول ہوگئی جو صرف امت مسلمہ کی سفارش کی، اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کردیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا۔ جل جلالہٗ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام زندگی اپنے مشرک باپ کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا۔ حضرت نوحؑ نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی۔ خود آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی منافق کا جنازہ پڑھا (یعنی دعائے مغفرت کی) مگر وہ نہ بخشا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسولؐ! اگر آپ اس کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا۔

(و) اس حکایت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس ''حدیث'' کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے، حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔

(ز) تاریخی لحاظ سے حضور ﷺ کا اس طرح ایک دن بھی مدینے سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سارا واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہؓ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے بنایا ہے۔

(مقتبس از ضمیمہ محبت باری تعالیٰ، ص ۴۹۲ تا ۴۹۹)

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے حقیقت پورے طور سے آشکار کردی ہے۔ **جزاہ اللہ خیراً**۔

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تاکہ اس جماعت کے علم

قلندری سے استفادہ کر سکیں۔ اس کتاب کا نام ہے "تعلیماتِ قلندریہ" مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر سجادہ نشین آستانہ کاظمیہ۔ یہ کتاب ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں۔ شیخ فریدالدین عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں جس قدر حکایتیں اور داستانیں سپردِ قلم کی ہیں ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیش نظر قبول کر لیا یا ازراہِ ادب سکوت اختیار کیا۔ اس طرح یہ مضرت رساں رسم حلقۂ صوفیاء میں جاری ہو گئی۔ نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتب ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔ فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوقِ تحقیق وتنقید کو مضمحل کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر صوفیانہ تقلید نے پوری کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوق تحقیق سے بیگانہ ہو گئی۔ ممکن ہے ناظرین وقارئین میری اس حق پژدہی اور راست بیانی سے چین بجبیں ہوں، اس لئے میں ان کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیر مَردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

"یعنی اے خدا! میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ صرف صوفیاء اور فقہاء کے غلام (مقلد) رہ گئے ہیں"۔

صرف ایک شعر اور سن لیجئے۔

حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ رندانہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیاء کے تذکرے ہوں یا سوانح حیات، کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس "نقل ہے کہ" یہ تین لفظ بالکل کافی ہیں۔ ان تین طلسمی الفاظ کے بعد آپ جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن، حدیث، تاریخ، سیرت اور عقل سلیم جس کی چاہیں تردید کر دیں، کوئی شخص آپ پر معترض نہیں ہوگا، بلکہ

یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ اس لئے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے شواہد و دلائل پیش کر چکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیماتِ قلندریہ سے پیش کر کے قارئین کی ضیافت یا تفریحِ طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں۔ پہلے محمد کاظم قلندر کاکوروی کی علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ ''عارف باللہ'' شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے علومِ درسیہ اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مثلاً ملا غلام یحییٰ بہاری اور ملا حمداللہ سندیلی سے حاصل کئے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے نوے فی صد پڑھنے والے اِن عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں' اس لئے میں چند سطور ان کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ملا غلام یحییٰ بہاری اپنے زمانے کے بہت نام آور منطقی تھے۔ انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید سلیمان ندوی مرحوم' درسِ نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لئے عرصہ دراز سے نصاب سے خارج ہو چکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے ''مفقود الخبر'' ہو چکے ہیں۔

نوک کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نہ مل سکا تو ملا بہاری مرحوم نے جنید وقت اور بایزید عصر حضرت اقدس میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کے آستانے کی خاک کو طوطیائے چشم بنایا تب کہیں جا کر محبوبِ حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبالؒ نے:

مرا از منطق آید بوئے خامی — دلیل اُو دلیل ناتمامی
درِ دلہائے بستہ را کشاید — دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اب رہے ملا حمداللہ' تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے۔ سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اور ان کے ہم عصر قاضی مبارک گوپاموئی دونوں نے سُلم العلوم کی شرح لکھی۔ اس کے دو حصے ہیں۔ تصورات اور تصدیقات۔ اوّل الذکر کی شرح تصورات موسومہ قاضی مبارک اور آخر الذکر کی شرح

تصدیقات موسومہ حمداللہ آج بھی درسِ نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا (اور زوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی) تو وہ دن دور نہیں ہے جب غلام یحییٰ کی طرح قاضی اور حمداللہ بھی نصاب سے خارج ہو جائیں گے۔

بازآمدم برسر مطلب، محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ صاحب اپنے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں ''اگر اتفاق شود نادِ علیؑ ہزار بار وقت پاس آخر شب مداومت کنند لیکن بایں طور کہ برزخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست و ایں فقیر را بدست چپ تا خواندن در تصور دارند بسیار فوائد خواہند شد'' ص ۱۴۷

یہ ''عارف باللہ'' اپنے بھائی کو ''نادِ علی'' کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ ''نادِ علی'' کیا ہے؟ یہ داستان قابل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ مہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا جبرئیلؑ کا آنحضرت ﷺ کو یہ مفروضہ دعا تلقین کرنا کہ نادعلیاً مظہر العجائب ...... الخ سراسر بے بنیاد، بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت ﷺ کا یہ دعا پڑھنا بالکل جھوٹ اور بہتان ہے۔ لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں کوئی قتال نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصلی سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو اس کے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ چونکہ ''عارف باللہ'' ہے اس لئے کس میں ہمت ہے کہ اس کی تردید یا تکذیب کر سکے! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہو گا۔

ان مکتوبات میں بہت سی روایات خلاف شرع اور خلاف عقل درج ہیں۔ دل پر جبر کر کے صرف ایک روایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر، سفیر شاہ اودھ، امیر عاشق علی خاں بہادر کو لکھتے ہیں کہ

''نقل ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ تھا جو ان کا پیر بھائی تھا، یعنی خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا۔ جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے

ساتھ گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً بحال ہو گیا۔ کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی وقت میرے پیر بھی آ گئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپڑ مار کر بولے کہ "خبردار! اسے عذاب نہ دینا' کیونکہ یہ میرا مرید ہے"۔ فرشتوں کو (منجانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف زندگی بسر کرتا رہا تھا۔ خواجہ نے یہ سن کر کہا "تم سچ کہتے ہو' لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑا تھا (خود را بہ پلۂ من بستہ است) خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے دستبردار ہو جاؤ' اسے خواجہ کے حوالے کر دو' کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا"۔

یہ طلسم ہوشربا لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پس بلاشبہ "پیراں شافع مریدان خود می شوند" (ص ۱۷۵)

میں اس دروغ بے فروغ پر پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا' صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے- **اعوذ باللّٰہ من ذٰلک الخرافات**۔ اگر تصوف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس طائفے کا ہر فرد مائل بہ تشیع تھا' بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا' یہی وجہ ہے کہ دو سو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کا تذکرہ نہیں ہے' حالانکہ اہل سنّت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرات شیخینؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن قلندر لاہر پوری نے مسعود علی قلندر الہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے' کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں ؎

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند　　بند رقیت ز پایت بر کند
زیں سبب پیغمبر با اجتہاد　　نام خویش و آں علی مولا نہاد"
(ص ۱۲۹ و ۱۳۰)

چونکہ مکتوب عبدالرحمٰن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے اسلئے اس باب میں رفع اشتباہ اور ازالۂ ضلالت کے لئے اہل سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے۔

۱) تمام محققین اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے

۲) "ولایت" غیر قرآنی اصطلاح ہے- قرآن حکیم میں یہ لفظ "وِلایت" کہیں مذکور نہیں۔

۳) ولایت علیؓ کا عقیدہ سبائیہ باطنیہ اسمٰعلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے- اسی فرقۂ ضالّہ نے یہ عقیدہ بھی وضع کیا کہ الولایۃ افضل من النبوۃ۔ اور اسی طائفہ باطلہ نے یہ جملہ بعض صوفیاء کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ پھر صدیوں تک نقل در نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ عقیدہ بعض جاہل سنّی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادوں مثلاً شطاریہ' قلندریہ' مداریہ' روشنائیہ' رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدارعلیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیاء بالعموم اور یہ طائفے بالخصوص علم حدیث' علم تاریخ اور سیرۃ النبیؐ سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لئے کسی صوفی نے زحمت تحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ سچ بن گیا۔

۴) قارئین کی آگاہی کے لئے یہ وضاحت بھی کئے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مؤمن ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مؤمن کا ولی (دوست) ہے۔ ولایت بمعنی دوستی ثمرہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ بجا لانے کا' یہی وجہ ہے کہ عقیدۂ ولایت کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔

۵) ولایت کے لئے "نصب" مطلق نہیں ہے' کیونکہ یہ کوئی منصب ہی نہیں

ہے۔ اللہ جانتا تھا کہ باطل پرست ''ولایت علیؓ '' کا عقیدۂ باطلہ وضع کریں گے اور رسول اللہ کی رسالت کا مقصد یہ قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایت علی کی بیعت لینے کے لئے مبعوث کیا تھا' اسی لئے اللہ نے سارے قرآن میں لفظ وِلایت (واوَ کے زیر کے ساتھ استعمال نہیں فرمایا' تاکہ ظلمت پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ مِنْ جَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ

۶) قارئین کی تسلیٔ خاطر کے لئے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں:

﴿ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

(البقرہ: ۲۵۷)

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں (اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ) اللہ انہیں (کفر وشرک و بدعات کی) تاریکیوں سے نکال کر (قرآن اور ہدایت کی) روشنی میں لے آتا ہے''۔

۷) اللہ سے دوستی کرنے (درجہ ولایت پر فائز ہونے) کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مومن بلاواسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے۔

۸) رومیؒ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومیؒ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

۹) مولوی رومی کہتے ہیں:

کیست مولا؟ آنکہ آزادت کند　　بند رقیت زپایت بر کند
چوں بآزادی نبوت ہادی است　　مؤمناں را ز انبیاء آزادی است

(دفتر ششم)

مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ ہے جو تجھے (کفر وشرک کی غلامی سے) آزاد کردے اور غلامی کی زنجیر تیرے پاؤں سے دور کردے۔ چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے اسلئے مؤمنوں کو انبیاء کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اب قارئین خود غور کرلیں کہ مولوی رومی کیا کہہ رہے ہیں اور یہ لاہر پوری قلندر کیا کہہ رہا ہے۔ رومی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے' نبوت تو قید ہے!

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے۔ جب قلب ونظر میں زیغ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے' اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کرلیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقیناً مجھ سے متفق ہو جائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہل سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آمیزش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پا چکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہو جانے کی وجہ سے شک وشبہ یا تنقید سے بالاتر ہو چکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر واعظ اور ہر خطیب کی زبان پر ہے کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو چکے ہیں' مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ میں بتائے دیتا ہوں۔ اگر وہ ماخذ اور منبع کی نشاندہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت' عزت اور ہر دل عزیزی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہو جائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہو جائے گی۔ جسے شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا اَقُوْلُ شَهِيْدٌ۔

نظام القلوب مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی میں حضرت مصنف نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کئے ہیں وہاں صفحہ ۳۰ پر یہ ذکر بھی لکھا ہے: "ذکر پنج فرقی' جانب ایمن یا محمدؐ' جانب ایسر یا علیؓ' جانب بالا یا فاطمہؓ' در پیش یا حسنؓ' در دل یا حسینؓ"۔

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کر

دیا' یہ تو سراسر خلافِ ارشادِ خداوندی ہے' اسلئے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کو اپنی ذات سے مختص فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاذْكُرُو اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ o﴾

''اور اللہ کا ذکر بکثرت کروتا کہ تم فلاح پاؤ''۔

پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے' کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی بھی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ o وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ o﴾ (یونس: ۱۰۶'۱۰۷)

''(اے انسان) اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کوئی انسان اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی انسان اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بھلائی پہنچاتا ہے اور وہ غفور اور رحیم ہے''۔

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو' پھر اللہ کا اثبات کرو۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت یا طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:

جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر   اکبر بخدا کہ وہ مسلمان ہی نہیں!

تصوف تو نام ہی ہے لوحِ دل سے نقشِ غیر کو مٹانے کا۔ جو تصوف غیر اللہ کے نام کو دل میں جاگزیں کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے' بلکہ سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ یہ ذکر پنج فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو' یعنی

مشرک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر' جو دراصل شرک ہے' کس طرح اپنی تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی' اور مل بھی کیسے سکتی ہے؟ آنحضرت ﷺ قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہوگی اور ذکر اطمینان قلب سے محروم ہو جائے گا' کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

﴿الا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○﴾(الرعد : ۲۸)

''آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل کر سکتے ہیں۔''

۵) سیّد سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ حقائق و معارف القدر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری' سہروردی اور چشتی' ان تینوں سلسلوں کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علیؓ کو وصی نبی یقین کرتے ہیں' حالانکہ یہ عقیدہ اہل سنّت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے وصی تھے۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ بن سبا بانیٔ فرقہ ضالّہ سبائیہ کی ایجاد ہے اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور اُن سے جس قدر فرقے نکلے' سب کا سنگ بنیاد ہے بلکہ اہل سنّت اور سبائیت کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ جو سنّی صوفی خواہ چشتی ہو یا قادری' یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علیؓ وصی رسول ﷺ تھے' وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدینؓ کو ''غاصب'' تسلیم کرتا ہے۔ خواہ وہ مصلحتاً یا تقیۃً زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغازِ کتاب میں لکھتا ہے:

''ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علی ولی وصی نبی...... الخ''

اس کے بعد لکھتا ہے ''وعلی ذریۃ الحسن والحسین...... الخ''

صفحہ ۶ پر یہ رباعی لکھی ہے:

یا ربّ برسالت رسول الثقلین یا ربّ بغزا کنندۂ بدر و حنین
عصیان مرا دو حصہ کن در عرصات نیمے بحسن بخش و نیمے بحسین

پوری کتاب میں حضرات شیخین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان پر ہدیۂ سلام بھیجنا تو خارج از بحث ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوب نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ وہ بھی رسول کے بعد حضرت علیؓ کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی قرار دیتا ہے۔ اس نام نہاد سنّی قادری نے بھی رسول کے بعد یک لخت حضرت علیؓ کا ذکر کیا ہے اور انہیں وصی قرار دیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳۷ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے:

''معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے (۲۹) کہ مقتدائے زماں امین خاں سے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ شمس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کئے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے ایسا کیا تو پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا محمد ﷺ کو۔ فرمایا اب پھر دیکھ۔ میں نے پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ پوچھا اب کسے دیکھا؟ میں نے کہا علیؓ کو۔ فرمایا پھر دیکھ میں نے پھر دیکھا۔ فرمایا چہ دیدی؟ (کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟) میں نے کہا عبدالقادر جیلانیؒ کو۔ فرمایا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا۔ محمد ﷺ، علیؓ اور عبدالقادرؒ، یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (باعتبار باطن) ایک وجود ہیں اور معیت تامہ رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے...... شاہ نعمت اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اس معنی کو واضح فرمایا ہے:

مصطفیٰ را مرتضیٰ دان، مرتضے را مصطفیٰ
خاک در چشم دو بینان دغا باید زدن

(۲۹) اس نام کی ایک کتاب شیخ عطار سے بھی منسوب ہے مگر یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی ہندی باطنی کی تصنیف کثیف ہے۔

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں معیت تامّہ پر دلالت کرتی ہے:

ا) ((لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ دَمِیْ))

''تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے''۔

ب) ((اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ))

''میں اور علی ایک ہی نور سے (مخلوق) ہیں''۔

ج) ((اَنَا اَنْتَ وَاَنْتَ اَنَا یَا عَلِیُّ))

''اے علی میں تُو ہوں اور تُو میں ہے''۔

(انتہٰی بالفاظہٖ' ص ۳۳۸' ج دوم)

یہ روایت تو میں نے دل پر جبر کر کے نقل کر دی ہے' اب اس پر تنقید کرنے کے لئے فولاد کا جگر کہاں سے لاؤں؟ اگر قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ یا حضرت! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ' بیٹا اور روح قدس اگرچہ ظاہراً تین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے: ﴿لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ﴾ اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے!

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیت تامّہ پر استدلال کیا ہے' اہل سنّت کی مسلمہ و متداولہ کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں؟ یا ان کی سند کیا ہے؟

یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ انہی روایات کا کرشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدر آباد دکن' گلبرگہ' اورنگ آباد' پیران کلیر' بریلی' بدایوں' دہلی' اجمیر' دیوہ' ردولی' کچھوچھ' ماہریرہ' لاہور' پاک پتن' ملتان' اچ' جلالپور پیروالا' سیہوان' درازہ' حجرہ شاہ مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سبائیت اور باطنیت کے فروغ و شیوع کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بصمیم قلب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دورِ عقلیت میں اگر دین اسلام سے واقف مسلمان تصوف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوف کو ''بے راہ روی'' سے تعبیر کرتے ہیں تو حق بجانب ایشان است۔ کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ اس عاجز کی طرح قوتِ لایموت اور رزق مایحتاج پر قناعت کر کے بیس بائیس سال تک گوشہ میں بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تا عصر حاضر تصوف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں غیروں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سنیں۔

الحمدللہ کہ یہ عاصی و کم سواد قرآن و حدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح میں احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے) اور دراصل عبارت ہے تزکیۂ نفس سے جو مقصودِ حیات بھی ہے اور بعثت نبوی کی غایت بھی ہے۔ اس لئے یہ طریق درہمہ حال' مقید بالکتاب اور مشید بالسنۃ رہنا چاہئے۔ اس لئے تینوں کو ایک سمجھنا نصرانیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہوسکتی ہے اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہوسکتی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخَرَافَاتِ۔

۶) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنی ذات کو مؤمنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾ ''جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں (ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ اللہ کی محبت میں بغایت شدید ہوتے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مرکز محبتِ مؤمنین اس لئے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کرسکیں۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو جو افضلیت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذل اموال فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ کوئی صحابی اس وصفِ خاص میں صدیق اکبرؓ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:

﴿وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی۝﴾ (اللیل: ۱۷'۱۸)

''اور یقیناً (اس آگ سے وہ) سب سے بڑا پرہیزگار (متقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا

مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تا کہ وہ پاک ہو جائے''۔
یہ آیت جیسا کہ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے' اس لئے'' اتقٰی '' (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔
اب اس آیت پر غور کرو: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ ''بلا شبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے''۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ (سب سے زیادہ معزز ہیں) اس لئے تمام مفسرین' محدثین' فقہاء اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبرؓ افضل الصحابہ اور اس لئے انبیاء کے بعد افضل الناس میں ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔
پیروانِ ابنِ سبا نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علیؓ کو ان کی محبت کا مرکز بنا دیا اور اس مقصد کے لئے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں۔ جن میں سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے:
قاضی نور اللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در ۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف احقاق الحق جلد ہفتم صفحہ ۱۵۲ میں یہ روایت درج کی ہے:

اذا سمعتُ النداء من قبل اللّٰه يا محمد من تحب ان يكون معك في الارض؟ فقلتُ احب من يحبه العزيز الجبار و يامر بمحبته. فسمعتُ النداء من اللّٰه يا محمد احب عليا فاني احبه و احب من يحبه. فبكى جبريل و قال لو ان اهل الارض يحبون عليا كما تحبه اهل السماء ما خلق اللّٰه النار

''آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ (شب معراج میں) اللہ کے سامنے یہ ندا سنی گئی کہ اے محمدؐ تو کس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے۔ پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمدؐ تو علی سے محبت کر' کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگا اور کہا کہ اگر اہل زمین

بھی علیؓ سے ایسی محبت کرتے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا"۔ (ختم شد لفظی ترجمہ)

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ پہن کر اس روایت کو سنیّوں کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزد پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئی اور اللہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور انہوں نے اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنا لیا۔ چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"حب حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ در ضمیر ماست کہ ہم از اولاد آنحضرت ایم وہم سلسلہ مشائخ ما بآنحضرت می رسد چگونہ مراحب آں جناب نباشد؟ شما در تعصب مذاہب گرفتار نباشند۔ آنچہ مذہب حنفیہ است براں باشند"۔ (تعلیمات قلندریہ صفحہ ۱۷۷)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حبّ علی ان کا خمیر ہے۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے۔ یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک شخص محبوب تو رکھے حضرت علیؓ کو اور افضل یقین کرے حضرت صدیق اکبرؓ کو، پس جو شخص فی الجملہ حضرت علیؓ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنّت والجماعت کے دائرے سے باہر ہے، کیونکہ تشیّع اور تسنّن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو افضل مانتے ہیں اور سنی حضرات حضرت صدیق اکبرؓ کو افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف "تکمیل الایمان شرح شرح عقائد نسفی" میں یوں رقم طراز ہیں:

و الخلفاء الاربعة افضل الاصحاب و فضلهم علی ترتیب الخلافة

"چاروں خلفاء تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے"۔ یعنی پہلے صدیق اکبرؓ، پھر فاروق اعظمؓ، پھر حضرت عثمانؓ، پھر حضرت علیؓ (اردو ترجمہ تکمیل الایمان، صفحہ ۶۸)

بازآمدم برسر مطلب۔ شوستری نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے' حالانکہ قرآن حکیم ناطق بالصواب ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ o﴾ (الصف: ٤) ''بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر کہ گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہاں اقبال کے مرشد معنوی حضرت اکبرالہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کئے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ مؤثر ہے:

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا — آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے — ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایک شعر مزید کا بھی درج کئے دیتا ہوں:

حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی

۷) سید محمد گیسو[۳۰] دراز جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے' اپنی مشہور تصنیف جوامع الکلم میں لکھتے ہیں:

''خلافت آنحضرت ﷺ بردوگونہ است' یکے خلافت صغریٰ کہ مراد از خلافت ظاہری است۔ دوم خلافت کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است ومخصوص بحضرت علی است''۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سیّد صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں تو صرف ایک ہی قسم کی خلافت کا ذکر ہے:

---

۳۰) گولکنڈے کا آخری شیعہ بادشاہ ابوالحسن المعروف بہ تاناشاہ' شاہ راجو قتال کا نہایت مخلص مرید تھا جو گیسودراز کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ کوئی شیعہ بقائمی ہوش وحواس کسی سنی کا مرید نہیں ہوسکتا اس لئے راجو قتال کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور گیسودراز کا مذہب ان کی مذکورہ بالا تقسیم سے ظاہر ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ﴾ (النور: ۵۵)

''(صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا (خلیفہ بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لئے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کر دے گا اور یقیناً ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا''۔

جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے' یہ تینوں وعدے حضرات شیخینؓ کے مبارک عہد میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں ''باطنیت'' کا تصور صحابہ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائیہ اسمٰعیلیہ قرامطہ باطنیہ کے دماغوں کی اپج ہے اور اسی لئے انہیں باطنیہ کہتے ہیں۔ سیّد گیسو دراز بھی انہی باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ اور مجھے اس فصل میں یہی دکھانا ہے کہ باطنیہ کے عقائد اکثر سنّی صوفیوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

۸) چونکہ باطنیہ کے تمام بنیادی عقائد (basic doctrines) قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں اس لئے انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول کی کہ جس طرح ہو سکے اہل سنّت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا جائے' تا کہ وہ غیر قرآنی عقائد کو قبول کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تصوف کا لباس زیب تن کیا (۳۱) اور صوفی بن کر اپنے عقائد عوام اہل سنّت میں شائع کر دیئے۔ دوسرا

(۳۱) اگر چہ اس کے شواہد قبل ازیں پیش کر چکا ہوں تاہم ایک شاہد اور پیش کئے دیتا ہوں: ''رسالہ درحقیقت دین'' مصنف شہاب الدین شاہ ولد علی شاہ (باطنیہ نزاریہ شاخ کا ۴۷ واں امام) کے دیباچے میں پروفیسر آئی وے ناف لکھتا ہے:

''یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ فرقہ اسماعیلیہ نے ایران میں مجبوراً اپنی تصانیف کو فلسفہ تصوف کے لباس میں مخفی کیا اور بلاشبہ فلسفہ اسماعیلیت اور فلسفہ تصوف میں بہت سے ⇐

کام یہ کیا کہ علم الاعداد ایجاد کر کے اسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا۔ ہر عدد کو خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور تعویذ و طلسم لکھ کر عوام میں تقسیم کرنا شروع کئے۔ اس طرح عوام اُن کے معتقد ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے نقوش مرتب کئے اور ان سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دیئے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد تصوف اور تعویذ لازم و ملزوم ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے اور ان باطنی صوفیوں کے زیر اثر آ کر مسلمانوں نے قرآنی آیات کو لکھ کر گلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

جو قرآن مجید تہران سے ۱۳۲۷ء خورشیدی میں شائع ہوا ہے اس میں بہت سے نقوش بھی درج کئے گئے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے:

"نقل است از خاتم المجتہدین شیخ بہاؤ الدین عاملی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار برایں شکل نظر کند آتش دوزخ بروے حرام گرد"۔

وہ شکل یہ ہے:

⇐ امور مشترک ہیں"۔

یہ رسالہ فارسی میں ہے' آئی وے ناف نے اس کا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ میں قصداً اس رسالے سے تین اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرا دعویٰ ثابت ہو سکے کہ باطنیہ نے تصوف کے پردے یا لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی اور سنی صوفیوں نے ان کے عقائد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اختیار کر کے اسلامی تصوف کو کفر و اسلام کا ملغوبہ بنا دیا اور اب غیر اسلامی عقائد کو تصوف سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

(الف) فصل پنجم در معرفت: درحدیث قدسی می فرماید "اے محمد! اگر تو نبودے آسمانہارا خلقت نمی کردم۔ دور جائے دیگر است"۔ "اگر علی نبودے ترا خلقت نمی کردم"۔ از آیت چناں معلوم می شود کہ "اگر رسول' ولایت اور اظاہر نمی ساخت رسالت ناقص بود۔ پس ایں ہم اسباب آفرینش وارسال رسل وانزال کتب برائے شناختن او (علی) بود"۔ ص ۱۳

(ب) "اے جلوۂ حق! چہ طور آشکارا شدی کہ ہمہ فکر ہادر تو متحیر ماندند۔ خوشا جمال ازل خویش را پنہاں ساختی وایں طور آشکارا شدی کہ جمعے خدایت خواندند"۔ ص ۲۱

(ج) "محمد و علی ہر دو یک نور بودند...... درمیان مردم بدو لباس جلوہ نمودند"۔ ص ۲۴

ھـــلج ھلج	ھـــلج ھلج

میں نے افادۂ عام کے لئے یہ شکل بجنسہٖ نقل کر دی ہے۔ اس نوعیت کے نقوش اس قرآن کے صفحہ ١٠٢ سے صفحہ ١١٠ تک کثیر تعداد میں درج کئے گئے ہیں۔ میں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نقش مرقومہ بالا کے صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے دوزخ حرام ہو جائے گی تو قرآن مجید کی تلاوت یا اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی۔

رفتہ رفتہ مسلمان اس طلسم میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتاب نظر سے گزری جس کا نام دارالنظیم ہے۔ یہ کتاب امام الفن عبداللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ١٨٨٥ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں صفحہ ٦١ پر ''اسم اعظم'' بایں صورت مرقوم ہے:

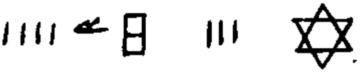

اس کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی ہے جسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا ہے۔ صفحہ ١٢٦ پر بضمن خواص سورۂ نور یہ عبارت مرقوم ہے جسے میں بجنسہٖ نقل کئے دیتا ہوں۔ ترجمہ کرنے سے قصداً احتراز کرتا ہوں:

"من کتبھا و جعلھافی فراشہ الذی ینام فیہ لم یحتلم ابداوان کتبت بماء زمزم و شربھا انقطع عنہ شھوۃ الجماع و ان جامع لم یجد لذتہ".

غالباً یہ مصرعہ انیس کا ہے ؏ ''دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے''
میں اس میں قدرے تغیر کر کے کہتا ہوں۔

دل صاحب ایمان سے انصاف طلب ہے
قرآن سے یہ دل لگی! اُف کیسا غضب ہے

قرآن حکیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہوگا جو اس امام الفن نے کیا۔ بہر حال باطنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن کی جو حیثیت رہ گئی ہے اسے اقبال کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آسان بمیری

۹) شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے ہیں' لیکن انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہے اس میں حضرت علیؓ کو ''وصی نبی'' تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بحق دوازدہ ائمہ شیعہ التجا کی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شیخ جیلانیؒ کو بھی واسطہ بنایا ہے مگر افضل الاولیاء والائمہ بلکہ افضل الصحابہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ پوری مناجات تو بخوفِ طوالت نقل نہیں کرسکتا' صرف ایک شعر درج کرتا ہوں۔

بحق امامِ علیؓ مرتضیٰ
وصی نبی و ولی خدا

شاہ صاحب چونکہ عالم دین تھے اس لئے یہ حقیقت ان سے مخفی نہیں ہوسکتی تھی کہ اہل سنّت اور اہل تشیع میں یہ عقیدہ (کہ علی وصی نبی تھے) مابہ النزاع بھی ہے اور مابہ الامتیاز بھی ہے۔ تمام اہل سنّت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا' مگر شاہ صاحب حضرت علیؓ کو صاف لفظوں میں وصیٔ نبی تسلیم کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک غزل میں بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے۔

ولیٔ حق وصی مصطفےٰ دریائے فیضانے
امام دو جہانے قبلۂ دینے و ایمانے

اندریں حالات اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ شاہ صاحب بظاہر سنّی تھے' مگر بباطن شیعہ تھے' کیونکہ مناجات درکنار' انہوں نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیق اکبرؓ یا فاروق اعظمؓ کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بظاہر سنّی ہیں مگر حضرات عثمان غنیؓ عمرو بن العاصؓ اور معاویہؓ کی تنقیص وتوہین وتحقیر میں شیعہ حضرات کے ہمنوا بھی ہیں اور اس ہمنوائی پر اصرار بھی کرتے ہیں۔

۱۰) یہ مضمون چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لئے دیگر کتب مثلاً گلزارِ صابری'

مناقب المحبوبین' سبع سنابل' تذکرۃ الاولیاء' سید الاقطاب' مرأۃ الاسرار' جامع السلاسل' حبیب السیر' شواہد النبوت' روضۃ الصفا' مقصد اقصیٰ' تحفۃ الراغبین' بہجۃ الاسرار' زبدۃ الحقائق اور جوامع الکلم وغیرہم میں جو غلط روایات درج ہیں ان کی تفصیل سے قلم کو روکتا ہوں۔ ان کتابوں کی اکثر روایات بالکل غلط ہیں اور اکثر روایات بہت ہی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ کسی روایت کی سند بیان نہیں کی گئی ہے۔ صرف ''منقول است'' کے نسخہ مجرب پر عمل کیا گیا ہے۔

آخر میں ملا علی قاری کی مشہور کتاب ''موضوعات'' سے چند اقتباسات درج کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں

ا) سیرۃ النبی کا اوّلین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لئے..........اس نے اکثر ایسی روایتیں بھی درج کر دیں جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو سکے۔ مثلاً خیبر کا دروازہ اکھیڑنے کی روایت۔

ب) ''کنت کنزا مخفیا'' الخ حدیث نہیں ہے [۳۲]

ج) تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ کے خطبہ نہ دے سکنے کی روایت بھی غلط ہے۔

د) ''کان اللہ و لم یکن معه شیء'' یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

ہ) ائمۃ الحدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حسن بصری کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں ہے:

فان ائمة الحديث لم يثبتوا الحسن البصری من علی سماعا صفحہ ۲'۳

و) خرقہ صوفیہ والی روایت کہ خدا نے معراج میں آنحضرت ﷺ کو ایک خرقہ عطا کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اسے پہنا دینا' آنحضرت ﷺ نے حضرات صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ سے فرداً فرداً سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے؟ ان کے جوابات سے آپؐ مطمئن نہ ہو سکے

۳۲) اکثر صوفیاء اسے حدیث سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی' شاعر اور عاشق بالعموم محدث نہیں ہوتے۔

لیکن حضرت علیؓ کے جواب سے مطمئن ہو گئے کہ واقعی تم اس کا حق ادا کرسکو گے۔
ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ روایت بالکل غلط ہے اور معاندین صحابہ ؓ کی وضع کردہ ہے۔

د) یہ روایت کہ حضرت علیؓ کی نماز قضا ہوگئی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے آفتاب کو حکم دیا کہ غروب ہونے کے بجائے رجعت کر اور عصر کے وقت پر قائم ہو' تا کہ وہ نماز عصر وقت پر ادا کرسکیں' یہ بھی غلط ہے۔ (٣٣)

ح) یہ روایت کہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجمع عام میں فرمایا کہ ''علیؓ میرا وصی ہے'' قطعاً غلط ہے اور بے بنیاد ہے۔

ط) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین سیّدۃ نساء العالمین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے فرمایا تھا کہ ''علیؓ کے خلاف خروج مت کرنا'' پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ عائشہ خروج کرے تو تم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا' سراسر کذب اور افتراء ہے اور ام المؤمنینؓ کے دشمنوں کی وضع کردہ ہے۔

ی) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہ کو نہیں سکھائے' بالکل غلط ہے (٣٤)۔

ملا علی قاری کے اس قول پر کہ ''روافض نے حضرت علیؓ کے فضائل میں صرف تین لاکھ

---

٣٣) یہ عاجز حضرت علیؓ کی عزت ملحوظ خاطر رکھ کر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ رجعت شمس اگر ہوتی تو اس دن ہوتی جب خود آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہؓ کی چار نمازیں قضا ہوگئی تھیں۔ لہٰذا اس روایت پر عقلی اعتبار سے وہ اعتراض لازم آتا ہے جسے ارباب منطق ترجیح بلا مرجح کہتے ہیں۔ فافہم وتدبر

٣٤) یہ کم سواد عرض کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بحیثیت رسول ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں کوئی سِرّ (بھید) نہیں' کوئی راز نہیں' کوئی خفا نہیں' کوئی رمزو کنایہ نہیں۔ برعکس ایں اس کی تعلیم بالکل واضح' بین اور عیاں ہے اور اسکی پیش کردہ کتاب بھی بالکل واضح اور روشن اور جلی ہے۔ چنانچہ ﴿تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ میرے دعوے پر شاہد ہے۔ یہ اسرار و رموز تو باطنیہ نے اسلام میں داخل کئے ہیں جن میں جہلاء گرفتار ہو گئے اور اللہ و رسول سے بیزار ہو گئے۔ (یوسف)

روایتیں وضع کی تھیں'' اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں۔

میرا مقصد اس اقتباس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے اس کی تائید وتوثیق ایک ایسے ماہرِ فن کی طرف سے ہو جائے جس نے اپنی ساری عمر احادیث کے پرکھنے میں گزاری تھی۔ اگر ناظرین ملائے موصوف کی کتاب کا مطالعہ کریں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس سے زیادہ خود لکھ سکیں گے' بشرطیکہ تعصب مانع نہ ہو جائے۔

استدراک

بخوفِ طوالت میں نے علم الاعداد کا تعارف نہیں لکھا۔ اب خیال آیا کہ اتنی وضاحت ضرور کر دینی چاہئے کہ باطنیہ نے یہ علم کیوں ایجاد کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عوام کے اذہان وقلوب کو کسی قیل وقال کے بغیر بہت جلد اور بہت آسانی سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اس کی چار مثالیں درج کرتا ہوں:

۱) شیعوں کے بارہویں مزعومہ امام کی پیدائش ۲۵۶ھ میں بیان کی جاتی ہے۔ اس کی عظمتِ روحانی کا ثبوت برہان کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! ''نور'' کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ نور ہے۔

۲) بہاء اللہ (بانیٔ مذہب بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں ''ظہور حق'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لئے دلیل یہ دی کہ دیکھو! یہ ظہور الحق (بہاء اللہ کے لقب) کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں!

۳) حــــی کے عدد ۱۸ ہیں' اس لئے ۱۴ معصومین اور ۴ ابواب یعنی یہ ۱۸ افراد بھی زندہ ہیں۔

۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف ۱۹ ہیں اس لئے ۱۹ کا عدد مبارک ہے' اس لئے بہائیوں کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔

۵) چونکہ ۹ کا عدد کامل ہے اس لئے جس شہر میں ۹ آدمی بہائی ہو جائیں وہاں بہائی محفل قائم کی جا سکتی ہے۔ (ماخوذ از ''باب کی نئی تاریخ'' مؤلفہ براؤن ضمیمہ دوم صفحہ ۳۲۸ تا ۳۳۹)

قارئین کی آگاہی کے لئے مختصر طور پر یہ کہے دیتا ہوں کہ باطنیہ نے اپنا مذہب جن فلسفیانہ افکار و تصورات کی مدد سے مدون کیا تھا ان میں فیثا غورث کے افکار بھی شامل تھے اور جیسا کہ فلسفے کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ فیثا غورث نے اپنے فلسفے کی بنیاد اعداد پر رکھی تھی اور یہ قول کہ ۹ کا عدد کامل ہے اسی کا ہے۔ مزید معلومات کے لئے مغربی فلسفے کی کسی مستند تاریخ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اس عاجز نے اس مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ

ا) صوفیا بالعموم صیرفیٔ حدیث نہیں ہوتے اس لئے اکثر مواقع میں مقولے اور حدیث میں فرق نہیں کر سکتے۔

ب) بزرگان سلسلہ کے ملفوظات پر تنقید سوء ادب سمجھتے ہیں یعنی جو باتیں ان سے منسوب کر دی جاتی ہیں انہیں بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ قارئین میرے اس رجحان یا نقطۂ نظر کو گستاخی پر محمول کریں گے اور اس طرز بیان کو ''چھوٹا منہ بڑی بات'' سے تعبیر کریں گے اس لئے میں ذیل میں ایک ایسے شخص کے ارشادات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھا تو دوسری طرف سلوک تصوف میں اتنا بلند مقام رکھتا تھا کہ حضرت مولانا احمد علیؒ صاحب لاہوری نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ان کی کفش برداری کے لائق بھی نہیں ہوں۔ میری مراد حضرت اقدس سیّدی و مرشدی شیخ العرب والعجم مولانا الحاج الحافظ سیّد حسین احمد مدنیؒ سے ہے جنہوں نے ۱۴ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا تھا۔ حضرت اقدس اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''صوفیہ کی کتابوں میں'' **رجعنا من الجهاد الا صغر الى الجهاد الاكبر**'' کو صحیح حدیث کہا گیا ہے لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن